باسمہٖ تعالیٰ

پندرہ سورتیں

و

مسنون دُعائیں





مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی

باسمہٖ تعالیٰ

پندرہ سورتیں

(برائے مختصر نصاب)

اعوذ باللہ، بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ سمیت قرآن مجید کی
آخری چودہ سورتوں کا عام فہم ترجمہ، اور تفسیر وتشریح
ان سورتوں کے فضائل وفوائد اور شانِ نزول پر بحث
عام مسلمان خواتین ومرد حضرات اور بچوں وبچیوں
کے لئے نماز اور زندگی کے دوسرے اوقات میں کارآمد
اور مفید مختصر تفسیری مجموعہ

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ناشر

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: پندرہ سورتیں
مصنّف: مفتی محمد رضوان
طباعتِ اول: جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ
طباعتِ دوم: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ جون 2009ء
صفحات:
قیمت: روپے

b

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان
فون 051-5507270 فیکس 051-5780728

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعوذ باللہ اور بسم اللہ کی تفسیر وتشریح

تَعَوُّذُ

''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ ''

جس کا ترجمہ ہے:

''پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود (کے شر) سے''

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے ''تعوذ'' پڑھنا سنت ہے۔

تلاوت کے وقت ''تعوذ'' پڑھنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں دوسری جگہ اس طرح آیا ہے:

''فَاِذَاقَرَأۡتَ الۡقُرۡآنَ فَاسۡتَعِذۡبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡم''

یعنی ''جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود (کے شر) سے''

اور اس حکم پر عمل کرتے ہوئے جب تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگے گا تو اس کی صورت یہی ہوگی کہ وہ ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ '' پڑھے گا۔

تعوذ کا یہ حکم قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ خاص ہے اور تلاوت کے علاوہ دوسرے کاموں کے شروع میں صرف ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ '' پڑھنا سنت ہے، ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ '' پڑھنا سنت نہیں۔

لہٰذا جب تلاوت شروع کی جائے تو پہلے:

''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ ''

پڑھی جائے، اس کے بعد:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم''

پڑھ کر پھر تلاوت شروع کی جائے۔

تَسْمِیَۃُ

تسمیہ سے یہاں ہماری مراد ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھنا ہے۔
جس کا ترجمہ یہ ہے:

''شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان (اور) انتہائی رحم والے ہیں''

دعا وغیرہ کے طور پر جنابت کی حالت میں پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ ہر کام کے شروع میں مثلاً کھانے پینے سے پہلے ''نماز کی پہلی رکعت کے شروع میں ''اعوذ باللہ'' کے بعد بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ اور تلاوت کرتے ہوئے درمیان میں سورہ براۃ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

اعوذ باللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے بندہ شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اور بسم اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے بندہ اللہ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے۔
اسلام میں اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ ہر اچھے کام کو اللہ کے نام سے شروع کیا جائے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

ہر اہم کام جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو، چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھکو تو بسم اللہ کہو۔

اس کے علاوہ کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے اور ہر اہم کام کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

M L K

سورہ فاتحہ کا ترجمہ وتفسیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (١) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (٢) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (٣) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (٤) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (٥) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (٦) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (٧)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مربی (پالنے والے) ہیں سارے جہانوں کے ﴿۱﴾ جو بڑے مہربان نہایت (ہی) رحم (کرنے والے) ہیں ﴿۲﴾ جو مالک ہیں جزا (قیامت) کے دن کے ﴿۳﴾ (یا اللہ) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں ﴿۴﴾ بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ ﴿۵﴾ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے ﴿۶﴾ جن پر نہ تو آپ کا غضب (نازل) ہوا اور نہ ہی وہ گمراہ ہوئے ﴿۷﴾

تفسیر

قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کو بہت سی خصوصیات حاصل ہیں، مثلاً یہ کہ:

(۱) قرآن مجید اسی سے شروع ہوتا ہے **(۲)** نماز اسی سورت سے شروع ہوتی ہے **(۳)** اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ پر جو سورت سب سے پہلے مکمل طریقہ پر نازل ہوئی وہ یہی سورت ہے (سورہ اقراء، سورہ مزمل اور سورہ مدثر کی چند آیتیں اس سورت سے پہلے نازل ہوئی تھیں مگر مکمل سورت سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہی نازل ہوئی) **(۴)** سورہ فاتحہ ایک حیثیت سے پورے قرآن مجید کا متن اور خلاصہ ہے اور پورا قرآن مجید اس کی شرح اور تفصیل ہے۔

کیونکہ سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے، قرآن مجید میں ان ہی باتوں کی تفصیل

ہے۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ سورہ فاتحہ کے برابر کوئی سورت نہ انجیل میں نازل ہوئی اور نہ تورات میں اور نہ زبور میں اور نہ ہی خود قرآن مجید کی کوئی دوسری سورت اس کے مثل ہے (ترمذی) [1]

ایک حدیث میں سورہ فاتحہ کو زہر کے لئے شفاء قرار دیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سورہ فاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے (بیہقی فی شعب الایمان)

اسی وجہ سے ایک حدیث میں اس سورت کا نام سورہ شفاء بھی آیا ہے، گویا کہ جس طرح سے مؤمن کے لئے سورہ فاتحہ باطنی اور روحانی شفاء کا ذریعہ ہے اسی طرح جسمانی بیماریوں اور دکھ درد کے لئے بھی شفاء ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کی سب سورتوں میں عظیم ترین سورت **اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ہے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو سونے سے پہلے سورہ فاتحہ اور قل ھواللہ الخ پڑھ لینے سے موت کے سوا ہر چیز سے امن وامان حاصل ہو جاتا ہے (درمنثور)

بعض صحابہ نے سفر میں بچھو سے ڈسے ہوئے شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو اس کی برکت سے اسے شفاء حاصل ہو گئی (بخاری)

سورہ فاتحہ سات آیتوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے، ان میں سے پہلی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور آخری تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو سکھایا ہوا (دعا اور درخواست کا) مضمون ہے۔اور درمیان کی ایک آیت میں حمد وثنا اور دعا ودرخواست دونوں کا مضمون مشترک ہے

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میرے اور میرے بندے کے

---

[1] أَتُحِبُّ أَنْ أُعَلِّمَكَ سُورَةً لَمْ يَنْزِلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِنْ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيتُهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَفِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى (ترمذی)

درمیان تقسیم کی گئی ہے۔

بندہ جب کہتا ہے ''الحمدللہ رب العالمین'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی

پھر جب بندہ کہتا ہے ''الرحمٰن الرحیم'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف وثناء بیان کی۔

پھر جب بندہ کہتا ہے ''مالک یوم الدین'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

پھر جب بندہ کہتا ہے ''ایاک نعبدوایاک نستعین'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے (کیونکہ اس میں ایک پہلو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا ہے اور دوسرا پہلو بندے کی دعا ودرخواست کا ہے) پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کو وہ چیز عطا کی جائے گی جو اس نے مجھ سے طلب کی ہے (یعنی استعانت)

پھر جب بندہ کہتا ہے ''اھدنا الصراط المستقیم'' (آخر تک) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور اس کو وہ چیز ضرور ملے گی جو اس نے مانگی ہے (یعنی ہدایت)

﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ﴾ اس کے معنٰی ہیں کہ ''سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں'' مطلب یہ ہے کہ دنیا جہان میں جس جگہ جب کبھی کسی چیز کی کوئی بھی واقعی تعریف اور خوبی بیان کی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کو پیدا فرمانے والے ہیں جب کسی مخلوق کی کوئی خوبی بیان کی گئی وہ خود بخود اس کے بنانے والے اور خالق کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

''اَلْحَمْدُلِلّٰه'' یہ مختصر سا جملہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کو بیان کر رہا ہے اور دوسری طرف معجزانہ اور دلنشین انداز میں توحید کی تعلیم دے رہا اور مخلوق پرستی کی بنیاد کو ختم کر رہا ہے۔ گویا کہ دعویٰ خود دلیل بھی بن رہا ہے۔

﴿ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یہاں اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی صفت ''رب العالمین'' ہونا ذکر کی گئی ہے عربی لغت میں رب کے معنٰی ''تربیت اور پرورش کرنے والے'' کے ہیں۔

اور تربیت اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کی تمام مصلحتوں کی رعایت رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے

بڑھا کر اس کو مکمل انتہا تک پہنچا دینا۔

لفظِ ''رب'' اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے کسی مخلوق کو ''رب'' کہنا صحیح نہیں۔

''**عَالَمِیْنَ**'' عالَم کی جمع ہے جس میں دنیا کی تمام انواع واقسام کی چیزیں آسمان، سورج، چاند، ستارے، ہوا، فضا، بارش، بجلی، فرشتے، جنات، زمین اور اس کی ساری مخلوق، حیوان، انسان، نباتات، جمادات سب کے سب شامل ہیں اس لئے ''ربِّ العالمین'' کے معنٰی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کی تربیت کرنے والے ہیں۔

عالمین۔ جمع کا صیغہ لا کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بے شمار عالم ہیں جن کی پوری تحقیق اب تک دنیا کے سامنے نہیں آ سکی۔

اور آج کل کی سائنس کی تحقیق نے تو اس بات کو خوب اچھی طرح تسلیم کرلیا ہے کہ آسمان وزمین، خشکی اور تری میں عجیب وغریب مخلوقات کا وجود ہے، اور ان کے ماحول اور تقاضے بھی مختلف ہیں اور بے شمار مخلوقات تک ہماری تحقیق ابھی رسائی حاصل نہیں کرسکی۔

جس سے عالمین جمع کا صیغہ لانے کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوتی ہے اور اللہ رب العزت کی لامتناہی قدرت کا یقین مضبوط ہوتا ہے۔

﴿**الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**﴾ رحمٰن اور رحیم دونوں لفظ رحمت سے نکلے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت وکثرت اور کمال وتمام کو بیان کرتے ہیں، اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

رحمٰن کے معنٰی ہیں ''رحمت کا عام ہونا'' اور رحیم کے معنٰی ہیں ''رحمت کا تام یعنی مکمل ہونا''

مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کی رحمت سارے عالم اور ساری کائنات اور جو کچھ اب تک پیدا ہوا ہے اور جو کچھ ہوگا سب پر حاوی اور شامل ہونے کے ساتھ ساتھ کامل ومکمل بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رحمٰن کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، کسی مخلوق کو رحمٰن کہنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہوسکتا جس کی رحمت سے دنیا کی کوئی چیز خالی نہ رہے، اسی لئے رحمٰن کی صفت ایک ہی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے اور تیسرے کے شامل ہونے کا امکان ہی نہیں۔

البتہ رحیم کا لفظ انسان کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ پوری پوری رحمت کا معاملہ کرے، قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آج کل عبدالرحمٰن، فضل الرحمٰن وغیرہ ناموں کو مختصر (Short) کر کے رحمٰن کے ساتھ پکارتے اور خطاب کرتے ہیں یہ ناجائز اور گناہ ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات اور اسمائے حسنیٰ میں سے صرف دو صفتیں ذکر کی گئی ہیں، اور وہ دونوں رحمت کے لفظ سے نکلی ہیں یعنی رحمٰن اور رحیم جس میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آسمان وزمین اور تمام کائنات کے پیدا کرنے اور ان کو پالنے وغیرہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ہے، نہ تو اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کی خود کوئی ضرورت تھی نہ کوئی دوسرا ان چیزوں کے پیدا کرنے پر مجبور کرنے والا تھا، صرف اسی کی رحمت کے تقاضے سے یہ ساری چیزیں اور ان کی پرورش کے سارے انتظامات وجود میں آئے ہیں۔

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ لفظِ مالک "ملک" سے نکل کر بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز پر ایسا قبضہ اور تسلط حاصل ہونا کہ وہ اس میں تصرف کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔

یَوْم کے معنیٰ ہیں دن۔

اور **دِیْن** کے معنیٰ ہیں "بدلہ اور جزا دینا" اس اعتبار سے "مالک یوم الدین" کا ترجمہ ہوا (بدلے یعنی قیامت کے دن کا مالک اور قیامت کے دن میں ملکیت رکھنے والا) اور ظاہر ہے کہ قیامت کے دن تمام کائنات اور تمام کاموں اور چیزوں پر مالکانہ حقوق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے۔ اس میں کسی دوسرے کے تصرف اور دخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا (الا ان یشاء اللہ رب العالمین)

یہ بات بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ پوری کائنات اور اس کے ذرے ذرے کی حقیقی مالک وہی ذات

پاک ہے جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا، تربیت و پرورش کر کے پلایا اور بڑھایا، اس ذات کی ملکیت ہر چیز پر مکمل طریقے سے قائم ہے، ظاہر پر بھی، باطن پر بھی، زندہ پر بھی، مُردہ پر بھی، اس ملکیت کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔

اس پاک ذات کے علاوہ جس کسی کی جس چیز پر بھی کوئی ملکیت ہے وہ بہت محدود اور ناقص ہے ، اور اس کی کوئی نہ کوئی ابتداء اور انتہاء ہے، یہ ملکیت پہلے نہیں تھی اور بعد میں نہیں رہے گی، ظاہر پر ہے، باطن پر نہیں۔ زندہ پر ہے، مُردہ پر نہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی ملکیت صرف جزا یعنی قیامت کے دن تک محدود نہیں بلکہ دنیا میں بھی پوری کائنات کی حقیقی اور کامل ملکیت صرف حق تعالیٰ ہی کی ہے لیکن کیونکہ اس ذات نے اپنے فضل و کرم اور حکمت و قدرت سے دنیا میں ایک قسم کی محدود و ناقص ملکیت مخلوق کو بھی عطا فرما رکھی ہے، جس کی وجہ سے یہ مخلوق مغرور اور غافل ہو جاتی ہے۔

اس غفلت کو دور کرنے اور غرور کو توڑنے کے لئے ''مٰلک یوم الدین'' فرما کر مخلوق کو آگاہ کر دیا گیا کہ مخلوق کی یہ ملکیتیں اور تصرفات و تعلقات اور رابطے عارضی اور چند روز کے لئے ہیں اور ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی مخلوق کسی چیز کی عارضی اور ظاہری طور پر بھی مالک نہ رہے گی، نہ کوئی کسی کا خادم رہے گا، نہ مخدوم، نہ کوئی کسی کا آقا رہے گا، نہ غلام، نہ کوئی حکمران رہے گا، نہ رعایا، پوری کائنات کی مِلک اور مُلک صرف ایک ذات پاک اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی اس بات کی مزید وضاحت سورہ مؤمن کی ان آیات میں ہے

يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَايَخْفٰى عَلَى اللهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَاظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ(سورہ مؤمن آیات نمبر ۱۶،۱۷)

یعنی: ''جس دن سب لوگ (اللہ کے) سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان کی کوئی بات اللہ سے (ظاہر میں) بھی چھپی نہ رہے گی، آج کے دن کس کی حکومت ہوگی؟ بس اللہ ہی کی ہوگی، جو تنہا اور غالب ہے، آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا، آج

کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں''

بدلہ کا دن، اس دن کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے یہاں ''بدلہ کا دن'' فرمانے سے ایک عظیم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ دنیا اچھے اور برے اعمال کی جزاء وسزا کی جگہ نہیں، بلکہ یہ ایک ''دارُالعمل'' یعنی فرائض ادا کرنے کا دفتر ہے، تنخواہ یا صلہ وصول کرنے کی جگہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی کو عیش وعشرت، دولت وراحت سے مالا مال دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ومحبوب ہے، یا کسی کو رنج ومصیبت میں مبتلا پا کر یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ اللہ کے نزدیک مردود ومبغوض ہے، جس طرح دنیا کے دفتروں اور کارخانوں میں کسی کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف اور محنت کرتے ہوئے دیکھا جائے تو کوئی عقلمند اس کو مصیبت زدہ نہیں کہتا، اور نہ وہ خود محنت ومشقت کے باوجود اپنے آپ کو مصیبت اور بلا میں مبتلا سمجھتا ہے، بلکہ وہ اس محنت ومشقت کو اپنی سب سے بڑی کامیابی تصور کرتا ہے، اور کوئی مہربان اس کو اس محنت ومشقت سے سبکدوش اور بری کرنا چاہے تو وہ اس کو اپنا دشمن خیال کرتا ہے، کیونکہ وہ اس محدود محنت ومشقت کے مقابلہ میں اس راحت کو دیکھ رہا ہے، جو اس کو تنخواہ اور معاوضہ کی شکل میں ملنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد اولیاء اللہ سب سے زیادہ مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوتے ہیں، اور وہ اپنی اس حالت پر نہایت مطمئن اور بسا اوقات خوش وخرم نظر آتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کی عیش وعشرت حق وصداقت کی اور رنج ومصیبت بدعملی کی دلیل نہیں ہے، ہاں کبھی کبھی کسی عمل کی جزاء یا سزا کا ہلکا سا نمونہ دنیا میں بھی ظاہر کردیا جاتا ہے، وہ اس کا پورا بدلہ نہیں ہوتا، صرف متنبہ اور آگاہ کرنے کے لئے ایک نمونہ ہوتا ہے۔

اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورة السجدة آیت نمبر ۲۱)

یعنی ہم لوگوں کو (آخرت کے) بڑے عذاب سے پہلے (بعض اوقات) دنیا میں ایک

قریبی عذاب کا مزہ چکھا دیتے ہیں تا کہ وہ باز آ جائیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (سورة الزمر آیت نمبر ۲٦)

یعنی ''ایسا ہوتا ہے عذاب، اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے اگر وہ سمجھیں''

بہرحال دنیا کی راحت ومصیبت بعض اوقات تو امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی عذاب کے طور پر، مگر یہ اچھے یا برے عمل کا پورا پورا بدلہ نہیں ہوتا، بلکہ ایک نمونہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ سب کچھ چندروزہ اور عارضی درجہ میں ہے، اصل بنیاد اُس راحت اور تکلیف پر ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، اور جو اس دنیا کے عالَم سے گزرنے کے بعد آخرت کے عالَم میں آنے والی ہے، اسی کا نام ''بدلہ کا دن'' ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اچھے اور برے عمل کا پورا بدلہ اِس دنیا میں نہیں ملا کرتا، تو انصاف وعقل کا تقاضا ہے کہ نیک وبد، اچھا اور بُرا یکساں نہ رہے، بلکہ ہر عمل کی جزاء یا سزا ملنی چاہئے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ اس عالَم کے بعد کوئی دوسرا عالَم ہو، جس میں ہر چھوٹے بڑے اور اچھے برے عمل کا حساب اور اس کی جزا یا سزا انصاف کے مطابق ملے، اسی کو قرآن کی زبان میں بدلہ، جزا، قیامت یا آخرت کا دن کہا جاتا ہے۔

سورہ فاتحہ کی تین پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا بیان ہے، پہلی دو آیتوں میں حمد وثناء کے ساتھ ایمان کے بنیادی اصول، اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کا بیان بھی ایک معجزانہ انداز میں آ گیا ہے کہ جب پوری کائنات کی تربیت وپرورش کی ذمہ دار صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو حمد وثناء اور تعریف کی حقیقی مستحق بھی وہی ہو سکتی ہے۔

اور تیسری آیت کے صرف دو لفظوں میں حمد وثناء کے ساتھ اسلام کے عظیم انقلابی عقیدہ یعنی قیامت وآخرت کا بیان بھی دلیل کے ساتھ آ گیا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ لفظ ''اِیَّاکَ'' کے معنٰی ہیں ''خاص آپ'' اور ''نَعْبُدُ'' کے معنٰی ہیں ''ہم

عبادت کرتے ہیں' دونوں کو ملا کر معنٰی ہوئے "ہم خاص آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں"
یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے بجائے "نَعْبُدُکَ" بھی کہا جاسکتا تھا، جس کا ترجمہ ہوتا "ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں" لیکن اس کے بجائے "نَعْبُدُ سے پہلے لفظِ "اِیَّاکَ" لاکر عربی قاعدے کے لحاظ سے عبادت کو اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے خاص کر دیا گیا، اور عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی غیر اللہ کی شرکت کی گنجائش کو ختم کر دیا گیا اور غیر اللہ کی عبادت کی پوری طرح نفی کر دی گئی "نَعْبُدُ" عبادت سے نکل کر بنا ہے اور عبادت کے معنٰی ہیں "کسی کی انتہائی عظمت ومحبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرنا"

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور مخلوق کے ساتھ عبادت والا رویہ اختیار کرنا شرک ہے، شرک صرف اسی کو نہیں کہتے کہ بت پرستوں کی طرح کسی پتھر کی مورتی اور بت وغیرہ کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھا جائے، بلکہ کسی کی عظمت، محبت واطاعت کو وہ درجہ دے دینا جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے یہ بھی شرک میں داخل ہے۔

اور عبادت صرف نماز، روزے اور حج وغیرہ کا نام نہیں بلکہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے، جس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی غیر کی محبت اللہ کے برابر نہ ہو، کسی کا خوف اللہ کے برابر نہ ہو، کسی سے امید اللہ کی طرح نہ ہو، کسی پر بھروسہ اللہ کی طرح کا نہ ہو، اللہ کے برابر کسی کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرے، غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز (منت) نہ مانے، اللہ کے علاوہ کسی کو حاجت روا، ومشکل کشا سمجھ کر اس سے دعا نہ کرے کیونکہ دعا بھی عبادت ہے۔

اسی طرح کسی غیر اللہ کو رکوع، سجدہ نہ کرے، بیت اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کا طواف نہ کرے کیونکہ یہ سب چیزیں عبادت ہیں اور عبادت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی کرنا شرک ہے، اور جو کام شرک کی علامت سمجھے جاتے ہیں جیسے صلیب لٹکانا، ان کو بھی نہ کرے۔

﴿**وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ**﴾ یہاں بھی "اِیَّاکَ" اسی معنٰی میں ہے جو پہلے گزرا، "نَسْتَعِیْنُ" استعانت سے نکل کر بنا ہے جس کے معنٰی ہیں "کسی سے مدد مانگنا" تو "اِیَّاکَ

نَسۡتَعِيۡنُ“ کا ترجمہ ہوا ”ہم خاص آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں“

یہاں ”نَسۡتَعِيۡنُکَ“ فرمایا جا سکتا تھا جس کا ترجمہ ہوتا کہ ”ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں“ لیکن اس کے بجائے ”نَسۡتَعِيۡنُ“ سے پہلے لفظ ”اِیَّاکَ“ لا کر عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق استعانت کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہونا واضح کر دیا گیا۔

یہاں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ خاص اللہ ہی سے مدد کس چیز میں مانگتے ہیں؟ بلکہ کسی چیز کی قید لگائے بغیر عام چھوڑ دیا گیا، جس سے اس بات کے عموم کی طرف اشارہ ہے کہ ہر کام اور ہر مقصد اور ہر دینی اور دنیوی کام میں خاص آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور ہم اللہ کی مدد کے، کسی خاص چیز کے بجائے، ہر چیز میں محتاج ہیں

سورہ فاتحہ کی اس چوتھی آیت میں ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا بیان ہے کہ عبادت اور مدد طلب کئے جانے کے لائق صرف اللہ رب العزت کی ایک ہی ذات ہے۔

اور دوسری حیثیت سے انسان کی دعا و درخواست ہے کہ ہماری مدد فرمائیے۔

اور تیسری حیثیت سے انسان کے لئے یہ تعلیم ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے، اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کو حاجت روا نہ سمجھے خواہ وہ کوئی نبی ہو یا ولی، کسی غیر اللہ سے عزت و ذلت، راحت و صحت، رزق و اولاد وغیرہ کا سوال نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو معجزات اور ولیوں کو کرامت عطا فرماتے ہیں، معجزہ اور کرامت کو دیکھ کر بعض لوگ انبیاء اور اولیاء کے مختار و قادر ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، حالانکہ معجزہ اور کرامت براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا فعل ہوتا ہے، ان کا صرف ظہور انبیاء اور اولیاء کے ہاتھوں پر ہوتا ہے، قرآن مجید کی بے شمار آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کا دکھا دینا اور کرامات کا ظاہر کر دینا انبیاء و اولیاء کے اپنے بس کی بات نہیں بلکہ یہ تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اسی کے حکم سے کسی نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر کیا جاتا ہے۔

معجزے اور کرامت کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بلب اور پنکھا روشنی اور ہوا پہنچانے میں قطعاً خود مختار نہیں، بلکہ ہر آن ان کے پیچھے سے کرنٹ آنا ضروری ہے اور جس طرح بجلی کا اثر کہیں روشنی کی شکل

میں بلب میں ظاہر ہوتا ہے، کہیں ہوا کی شکل میں پنکھے میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار کہیں معجزات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور کہیں کرامات کی شکل میں۔

لہٰذا معجزہ یا کرامت کی وجہ سے کسی نبی یا ولی کو حاجت روا، مشکل کشا وغیرہ سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے۔

سورہ فاتحہ کی وہ آخری تین آیتیں جن میں انسان کی طرف سے اللہ رب العزت کے حضور دعا اور درخواست کا مضمون ہے، اب ان کی تفسیر وتشریح بیان کی جاتی ہے۔

﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ ''اِھۡدِنَا'' کے معنٰی ہیں ''بتلا دیجئے ہم کو'' ''الصِّرَاطَ'' کے معنٰی ہیں ''راستہ'' اور ''الْمُسْتَقِيْمَ'' کے معنٰی ہیں ''سیدھا'' ان تینوں الفاظ کو ملا کر معنٰی ہوئے'' بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ''

یہ ایک ایسی جامع ترین دعا ہے جو انسان کو اس کے خالق و مالک کی طرف سے سکھائی گئی اور تعلیم دی گئی ہے، کوئی انسان اس دعا سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، کیونکہ دین ودنیا میں کسی بھی جگہ ''صراطِ مستقیم'' کے بغیر کامیابی اور فلاح پانا ممکن نہیں، اسی وجہ سے اگر دنیا میں کوئی پریشانی یا اُلجھن پیش آئے اس وقت بھی اس دعا کا کرنا ایک مفید، مؤثر اور بہترین نسخہ ہے۔

ہدایت کے اصلی معنٰی ہیں ''کسی شخص کو منزلِ مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا''

صراطِ مستقیم کی دعا کا جس طرح عام مومنوں کو حکم ہے، اسی طرح اولیاء وانبیاءِ کرام علیہم السلام کو بھی اس کا حکم ہے، جبکہ یہ حضرات خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا سرچشمہ ہوتے ہیں، پھر ان حضرات کو اس دعا کی تعلیم اور حکم کا کیا فائدہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت کے مختلف درجے ہیں:

(۱)......جن میں سے پہلا درجہ وہ ہے جو کائنات ومخلوقات کی تمام قسموں کو شامل ہے، اور اس میں جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ ایسی سب چیزیں شامل وداخل ہیں جن کو'' **غَيْرِ ذَوِي الْعُقُوْل**'' کہا جاتا ہے، ہدایت کی اس قسم اور اس درجہ کا نام ''ہدایتِ عامہ'' ہے اور ہدایت کا یہ درجہ خاص اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اس میں کسی نبی یا رسول کا دخل نہیں۔

اس ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور پھر ان کو مناسب

مزاج اور خاص خدمات بھی سپرد فرمائیں، جس کے نتیجہ میں یہ سب چیزیں اپنا مقررہ فریضہ نہایت سلیقہ سے ادا کر رہی ہیں، جو چیز جس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ اس کام کو اتنی خوبی کے ساتھ پورا کر رہی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اور اسی ہدایت کی بدولت آسمان و زمین کی تمام مخلوقات، چرند و پرند سبھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے اندر ایک قسم کی روح و حیات اور حس و ادراک اور عقل و شعور رکھا ہے لیکن ہمیں اپنی آنکھوں سے اس کا احساس نہیں ہوتا، مگر آج کل کی سائنس نے تو یہ بات خود بھی تسلیم کر لی ہے۔

اسی کو قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

"اَعْطٰی کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی"

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کی رہنمائی بھی کی۔

(۲)...... ہدایت کا دوسرا درجہ پہلے درجہ سے خاص ہے، جو صرف انسان اور جنات کے لئے مخصوص ہے، جنہیں "**ذَوِی الْعُقُوْل**" کہا جاتا ہے، البتہ ہدایت کا یہ درجہ تیسرے اور آخری درجہ سے کچھ عام ہے، یہ ہدایت نبیوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے ہر انسان کو پہنچتی ہے، اس ہدایت کو قبول و منظور کر کے کوئی تو مؤمن و مسلم ہو جاتا ہے، اور کوئی اس ہدایت کو ٹھکرا کر اور انکار کر کے کافر ہو جاتا ہے۔

انبیاء اور رسولوں کا کام ہدایت کے اسی درجہ کے ساتھ خاص ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی ہدایت کو مؤمن و کافر بلکہ تمام مخلوق کے لئے عام فرمایا گیا ہے اس سے مراد پہلے اور دوسرے درجہ کی ہدایت ہے۔

اور اسی دوسرے درجہ کے اعتبار سے انبیاء اور رسولوں کو "ہادی" کہا جاتا ہے، ہدایت کے اس درجہ میں نبیوں اور رسولوں کی محنت اور جد و جہد شامل ہوتی ہے، اس اعتبار سے اس میں نبیوں اور رسولوں کا دخل ہے۔

(۳)...... ہدایت کا تیسرا درجہ پہلے دونوں درجوں سے بھی زیادہ خاص ہے، یہ صرف مؤمنین

ومتقین کے ساتھ مخصوص ہے اور ہدایت کا یہ تیسرا درجہ ظالموں اور فاسقوں کونصیب نہیں ہوتا ، یہ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست انسان پر فائز ہوتی ہے،اوراس میں کسی نبی یارسول کاعمل دخل نہیں ہوتا۔

اس ہدایت کادوسرانام''توفیق'' ہے۔یعنی ایسے اسباب وحالات کا پیدافرمادینا کہ قرآنی ہدایات کاقبول اوران پرعمل کرنا آسان اوران کی خلاف ورزی دشوار ہوجائے ، ہدایت کے اس درجہ کی وسعت غیرمحدوداورلامتناہی ہے،اعمالِ صالحہ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس درجہ میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

اوراس ہدایت کے مزید بلنددرجات حاصل کرنے سے کسی بڑے سے بڑے نبی اورولی کوبھی استغنا ءنہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ جونہ صرف ہدایت یافتہ بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہدایت کے مجسم پیکر تھے آپ کوبھی بار بارقرآن مجید میں اس ہدایت کی تعلیم دی گئی۔

خلاصہ یہ کہ ایک ہدایت ساری مخلوق کے لئے عام اوردوسری ہدایت انسان اور جنات تک محدود اورتیسری ہدایت مؤمنین ومتقین کے ساتھ خاص ہے،اوراس کے درجے بے حدوانتہاء ہیں،جن کی ہرمؤمن ،متقی ، ولی اور نبی کوضرورت ہے،اسی ہدایت کی دعا کاسورہ فاتحہ کی اس آیت میں تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

صراطِ مستقیم یعنی سیدھاراستہ وہ ہے جس میں موڑتوڑ نہ ہوں،اوراس سے مراد وہ راستہ ہے جس میں افراط وتفریط نہ ہو،افراط کے معنٰی''حد سے آگے بڑھنا''اورتفریط کے معنٰی''کمی،کوتاہی کرنا''۔

اگلی دوآیتوں میں صراطِ مستقیم کی پوری طرح نشاندھی ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔

﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾''صِرَاط ''کے معنٰی پیچھے گزرچکے یعنی''راستہ'' ''الَّذِيْنَ ''''ان لوگوں کا'' ''اَنْعَمْتَ'' ''انعام فرمایا آپ نے'' ''عَلَيْهِمْ'' ''ان پر''

پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہوا''راستہ ان لوگوں کا جن پرآپ نے انعام فرمایا''۔اب رہا یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جن پراللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے،اوران کو''مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ ''یعنی انعام یافتہ

یا انعام پانے والے کہتے ہیں؟ ان کی تفصیل قرآن مجید کی دوسری آیت میں اس طرح آئی ہے..

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ

(سورہ نساء آیت ۶۹)

''یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، انبیاء، اور صدیقین اور شہداء اور صالحین''

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کرنے اور انعام واکرام پانے والوں کے یہ چار درجے ہیں، جن میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، پھر صدیقین کی جماعت ہے، صدیقین وہ حضرات ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کی امت میں اخلاصِ نیت اور اتباعِ عمل میں سب سے اونچے مقام اور سب سے زیادہ مرتبے اور رتبے والے ہوتے ہیں، ان حضرات میں باطنی کمالات بھی بہت ہوتے ہیں۔

عام بول، چال میں ان کو ''اولیاء اللہ'' کہا جاتا ہے، اس کے بعد شہداء کی جماعت ہے، شہداء وہ حضرات ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی ہو، یہ بھی بہت اونچا مقام اور وصول الی اللہ کا مختصر راستہ ہے۔

اس کے بعد صالحین کی جماعت ہے، صالحین وہ حضرات ہیں جو پوری طرح شریعت کی اتباع کرنے والے ہیں، فرائض میں بھی، واجبات میں بھی، سنتوں میں بھی اور مستحبات میں بھی۔ عام بول، چال میں ان کو ''نیک ودیندار'' کہا جاتا ہے۔

اس آیت میں پہلے تو مثبت طریقہ پر ''صراطِ مستقیم'' کو متعین کر دیا گیا کہ ان چار طبقوں کے حضرات جس راستہ پر چلیں وہ صراطِ مستقیم ہے۔

اور اس کے بعد آخر کی آیت میں منفی طریقہ پر ''صراطِ مستقیم'' کی تعیین کر کے پوری طرح وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کی گئی۔

﴿ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴾ غیر کے معنی سب کو معلوم ہیں ''اَلْمَغْضُوْبِ'' ''غضب کئے گئے'' ''عَلَیْہِمْ'' ''ان پر'' ''وَلَا'' ''اور نہ'' ''الضَّالِّیْن'' ''راستہ سے گم ہو گئے'' پوری آیت کا ترجمہ ہوا ''نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا

اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے''

''مَغضُوبِ عَلَیهِم '' سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین کو جاننے پہچاننے کے باوجود نفسانی اغراض کی وجہ سے دین کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ کے احکامات توڑے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی اور تفریط کی، جیسا کہ عام طور پر یہودیوں کا حال تھا، اور ''ضَالِّین'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین سے ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور دین کی مخالفت میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے نکل کر غلو اور افراط میں پڑ گئے۔ جیسا کہ عام طور پر عیسائیوں کا حال تھا۔

صراطِ مستقیم کو واضح کرنے کا مختصر طریقہ یہ تھا کہ ''صِرَاطَ الْقُرآن'' یا ''صِرَاطَ الرَّسُول'' فرما دیا جاتا، کیونکہ قرآن مجید دراصل ''صراطِ مستقیم'' کی تشریح اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ''صراطِ مستقیم'' کی تفصیل ہیں، لیکن قرآن مجید کی پہلی سورت میں اس مختصر اور واضح پہلو کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے مستقل دو آیتوں میں مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے صراطِ مستقیم کی نشاندھی اور تعیین اس طرح فرمائی کہ سیدھا راستہ یعنی ''صراطِ مستقیم'' حاصل کرنے کے لئے اللہ کے اِن انعام یافتہ ، پسندیدہ اور مقرب بندوں کی رہنمائی حاصل کرو، ان کی پیروی کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے براہِ راست صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائی اور یہ انبیاء کرام کا مقدس طبقہ ہے۔

یا انبیاء کرام کے واسطے سے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائی اور یہ انبیاء کرام کے نائبین اور متبعین کے تین طبقے ہیں، یعنی صدیقینؒ، شہداءؒ اور صالحینؒ، جو حضرات نبی کا زمانہ پالیں ان کے لئے تو خود نبی کی ذات ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت کا کامل نمونہ ہے اور جو نبی کا زمانہ نہ پائیں ان کے لئے انبیاء کے پیروکاروں کے مندرجہ بالا تین طبقے صراطِ مستقیم کی ہدایت کے نمونے ہیں۔

یہاں نہ تو یہ فرمایا گیا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو، کیونکہ انسانی تربیت اور مکمل رہنمائی کے لئے نہ صرف کتاب کافی ہوسکتی ہے۔

اور نہ یہ فرمایا گیا کہ رسول کا راستہ اختیار کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اس دنیا میں باقی رہنا بھی دائمی

اور قیامت تک کے لئے نہیں، اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی اور رسول بھی آنے والا نہیں، اس لئے ”صراطِ مستقیم“ حاصل کرنے کے لئے ایسے حضرات کی رہنمائی کو بھی شامل کر دیا گیا جو تا قیامت ہمیشہ آتے رہیں گے اور ہر دور میں موجود رہیں گے، جن کے نقشِ قدم پر چل کر ہر دور میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

کتاب کے ساتھ ایسے حاملِ کتاب افراد کا ہونا بھی ضروری ہے جو کتاب پر پوری طرح عامل اور ہدایت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ صرف آسمان سے کتاب نازل فرمانے پر بھی اکتفا فرما سکتے تھے، لوگ خود اسے پڑھ کر ہدایت سیکھ لیتے، یہاں تک کہ کفار نے بطورِ اعتراض یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے براہِ راست ہم پر کتاب کیوں نہیں بھیج دیتے؟

معلوم ہوا کہ کتاب اور حاملِ کتاب افراد دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں دونوں کو لازم پکڑنے سے ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل ہوسکتی ہے، اُن کو ایک دوسرے سے جدا کرنے سے نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان کی ہدایت ورہنمائی اور تعلیم وتربیت صرف کتابوں اور روایتوں سے نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے ساتھ ماہرین کی صحبت ورہنمائی اور ان کی تعلیم وتربیت بھی ضروری ہے ، اور یہ بات صرف آسمانی تعلیم وتربیت اور دین کی رہنمائی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام علوم وفنون میں یہی اصول کارفرما ہے اور اس اصول پر تمام عقل والوں کا اتفاق ہے۔

چنانچہ بطورِ خود صرف کتاب دیکھ کر اور پڑھ کر نہ کوئی ڈاکٹر بن سکتا ہے، جب تک کہ کسی معتبر ڈاکٹر کی زیرِ نگرانی تربیت اور مشق نہ کرے، نہ کوئی انجینئر بن سکتا ہے جب تک کہ کسی انجینئر سے اس فن کو نہ سیکھ لے۔ نہ کوئی کپڑا سینا سیکھ سکتا ہے، جب تک درزی کی رہنمائی اور صحبت وتربیت حاصل نہ کرے۔ نہ کھانا پکانا سیکھ سکتا ہے، جب تک کہ کسی باورچی وغیرہ سے تربیت نہ پائے۔

حالانکہ ان سب علوم وفنون کی کتابیں مختلف زبانوں میں موجود ہیں، اگر بطورِ خود صرف کتابوں کو دیکھ کر کوئی فن حاصل ہوجایا کرتا تو دنیوی علوم وفنون کے بڑے بڑے سرکاری وغیر سرکاری اداروں کی ضرورت نہ رہتی۔ ہر شخص بازار سے اپنی مادری زبان میں کتاب حاصل کرکے جس فن

کا چاہے ماہر بن جایا کرتا۔

آج دین کے بارے میں اس اصول سے ہٹنے کی وجہ سے گمراہیاں پھیل رہی ہیں، کچھ لوگوں نے صرف کتاب اور روایت کو لے لیا، اور اللہ کے پسندیدہ بندوں کی رہنمائی ونگرانی کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے گمراہ ہوئے، اور کچھ نے کتاب و روایت کو چھوڑ کر نااہل رہنما بنالئے اور ان کی پیروی کر کے گمراہ ہوئے، حالانکہ دنیوی علوم وفنون کی طرح دینی علم ورہنمائی کے لئے بھی ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے چنانچہ تفسیر کا علم بغیر مفسرین کے، حدیث کا علم بغیر محدثین کے، فقہ کا علم بغیر فقہاء کے، اور تصوف کا علم بغیر صوفیاء کے رہنما بنائے حاصل کرنا ممکن نہیں۔

لہٰذا انسان کو صلاح وفلاح اور کامیابی پانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک کتابُ اللہ، دوسرے رجالُ اللہ یعنی اللہ والے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر زمانے میں انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے یہی دو سلسلے جاری رکھے ہیں:

(۱)...... ایک آسمانی کتابوں کا **(۲)**...... دوسرا آسمانی کتابوں کے مضامین کی تعلیم اور ان کے احکام کی تربیت دینے والے رسولوں کا۔

جس طرح صرف آسمانی کتاب نازل فرمادینے کو کافی نہیں سمجھا گیا، اسی طرح صرف رسولوں کے بھیجنے کو بھی کافی نہیں سمجھا گیا، ایسی مثالیں تو موجود ہیں کہ بے شمار نبی بھیجے گئے مگر ان کے ساتھ کوئی نئی کتاب نازل نہیں کی گئی، لیکن ایسی ایک بھی مثال موجود نہیں کہ کوئی آسمانی کتاب نازل کی گئی ہو، مگر اس کے ساتھ کوئی نبی نہ بھیجا گیا ہو، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ تک یہی اصول جاری رہا، اور آپ ﷺ پر نبوت کا دروازہ تو بند کر دیا گیا مگر آپ کے بعد آپ کے سچے وارثین علمائے حق کو قرار دیا گیا، جس طرح پہلی آسمانی کتابوں کو معلم ومربی یعنی نبی کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا تھا، اسی طرح آخری کتاب ''قرآن مجید'' کو اصل معلم ومربی ''حضور ﷺ'' اور آپ کے بعد آپ کے صحیح وارثین علمائے حق کی رہنمائی کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔

سورہ فاتحہ میں دس چیزیں ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے پانچ چیزوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اور

پانچ چیزوں کا تعلق بندوں سے ہے۔

جن پانچ چیزوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہ یہ ہیں:

(۱)...... الوہیّت (جو لفظ ''اللہ'' سے ثابت ہے) **(۲)**...... ربوبیّت (جو ''رب العالمین'' سے ثابت ہے) **(۳)**......رحمانیّت (جو لفظ ''الرَّحمٰن'' سے ثابت ہے) **(۴)**......رحیمیّت (جو لفظ ''الرَّحیم'' سے ثابت ہے) **(۵)**...... مالکیّت (جو ''مالکِ یوم الدِّین'' سے ثابت ہے)

اور جن پانچ چیزوں کا تعلق بندوں سے ہے وہ یہ ہیں:

(۱)......عبادت (جو ''ایاک نعبد'' سے ثابت ہے) **(۲)**......استعانت (جو ''وایاک نستعین'' سے ثابت ہے) **(۳)**......طلبِ ہدایت (جو ''اھدنا'' سے ثابت ہے) **(۴)**......طلبِ استقامت (جو ''صراط المستقیم'' سے ثابت ہے) **(۵)**......طلبِ نعمت (جو ''صراط الذین انعمتَ علیھم'' سے ثابت ہے)

بندہ سے متعلق ان پانچ چیزوں کا اللہ سے متعلق پانچ چیزوں کے ساتھ گہرا تعلق اور ربط ہے۔

چنانچہ اس تعلق اور ربط کے ساتھ پوری سورت کے مضمون کا مطلب اور پورے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

''اے اللہ ہم خاص تیری عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ تو ہمارا اللہ یعنی معبود ہے۔ اور خاص تجھ ہی سے مدد اس لئے مانگتے ہیں کہ تو ہی سارے جہانوں کی تربیت اور پرورش کرنے والا ہے، اور خاص تجھ ہی سے ہدایت اس لئے طلب کرتے ہیں کہ تو ہی رحمان ہے اور تیری رحمت ومہربانی عام ہے، اور خاص تجھ ہی سے استقامت کا اس لئے سوال کرتے ہیں کہ تو رحیم ہے، تیری خاص رحمت خاص ایمان اور ہدایت والوں پر ہی ہوتی ہے۔ اور خاص تجھ ہی سے انعام کے اس لئے امیدوار ہیں کہ تو ہی جزاء اور سزا کا مالک ہے، ایسی کامل نعمت ہم کو عطا فرما کہ جو تیرے غضب اور ہر قسم کی گمراہی سے بالکل پاک وصاف ہو'' (تفسیر کبیر)

بندہ جب بارگاہِ الٰہی میں پیش ہو کر اللہ تعالیٰ سے مُناجات اور اس کی صفاتِ کمال بیان کرتا ہوا:

''مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن''

تک پہنچتا ہے،تو بے اختیار اِسے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے،اس لئے وہ سفر کا ارادہ کرتا ہے تو:

''اِیَّاکَ نَعْبُدُ''

کے ذریعے وہ سفر کے لئے عبادت کا سامان اور توشہ لیتا ہے اور پھر:

''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ''

کے ذریعہ وہ استعانت اور اللہ کی مدد کی سواری پر سوار ہوتا ہے،سفر کا سامان اور سواری مہیا ہو جانے کے بعد راستہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور جب:

''اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ''

کے ذریعے راستہ معلوم ہو جاتا ہے تو راستہ کے رفیقوں اور ہم سفروں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تاکہ ان کی رفاقت اور قرابت میں راستہ سہولت کے ساتھ طے ہو،اس لئے وہ:

''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِم''

کے ذریعے اچھے اور نیک رفیقوں کی درخواست کرتا ہے،اور پھر راستہ کے، راہزنوں اور ڈاکوؤں یعنی غضب یافتہ اور گمراہ لوگوں کے خدشات وخطرات سے بچنے کا:

''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ''

کے ذریعہ سے سامان کرتا ہے اور اس طرح اس کا سفر بخیر وعافیت مکمل ہو جاتا ہے اور منزلِ مقصود تک بحسن وخوبی رسائی حاصل ہو جاتی ہے (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

r

سورہ قارعہ کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡقَارِعَةُ(۱) مَاالۡقَارِعَةُ(۲) وَمَآاَدۡرٰکَ مَاالۡقَارِعَةُ(۳) يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ (۴) وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ(۵) فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ(۶) فَهُوَ فِيۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ(۷) وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ(۸) فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ(۹) وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا هِيَهۡ(۱۰) نَارٌ حَامِيَةٌ (۱۱)

ترجمہ: (یاد کرو) کھڑ کھڑا دینے والی چیز کو!﴿۱﴾کیسی ہے وہ کھڑ کھڑا دینے والی چیز؟﴿۲﴾ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کھڑ کھڑا دینے والی چیز کیسی ہے؟﴿۳﴾جس دن سارے لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے﴿۴﴾اور پہاڑ دُھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے﴿۵﴾اب جس انسان کے پلڑے بھاری ہونگے﴿۶﴾تو وہ پسندوالی زندگی میں ہوگا﴿۷﴾اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہونگے﴿۸﴾تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا﴿۹﴾ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے؟﴿۱۰﴾وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے﴿۱۱﴾

تفسیر

اس سورت کا نام سورۃ قارعہ ہے، جو مکی سورۃ ہے، اور حضور ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں گیارہ آیات ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور حشر ونشر کو اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور خاص طور پر قیامت کے ہولناک واقعات کا ذکر فرمایا ہے، تاکہ انسان غفلت سے چونکیں، اور آخرت کے لیے تیار ہو جائیں۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کو کھڑ کھڑانے والی چیز فرمایا ہے۔

کیونکہ قیامت سخت آواز سے کانوں کو اور گھبراہٹ سے انسانوں کے دِلوں کو کھڑ کھڑا دے گی، جو

انسانوں کے لیے بہت ہولناک اور خطرناک اور وحشت ناک عالَم ہوگا۔

اور پھر فرمایا کہ

قیامت کے دن سب انسان پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پروانے بہت زیادہ ہوتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن سارے اول وآخر انسان ایک جگہ جمع ہونے کی وجہ سے پروانوں کی طرح معلوم ہوں گے۔

اور جس طرح پروانے بہت کمزور اور عاجز جانور ہوتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن سب انسان بھی بہت کمزور اور عاجز ہوں گے۔

اور جس طرح پروانے بے تاب اور بے چین اِدھر سے اُدھر منتشر پھیلتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن انسان بھی بے تاب اور بے چین اِدھر اُدھر منتشر ہوں گے، مگر جو اللہ کے نیک بندے ہوں گے، وہ مطمئن ہوں گے۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ

قیامت کے دن پہاڑ دُھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے۔

کیونکہ پہاڑوں کے مختلف رنگ ہیں، بعض پہاڑ کالے سیاہ ہیں، بعض سُرخ ہیں، بعض سفید ہیں، وغیرہ وغیرہ؛ تو جب قیامت کے دن پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، تو یہ دُھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح اُڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ

جس انسان کے پلڑے بھاری ہونگے، تو وہ پسند والی زندگی میں ہوگا۔

پلڑے بھاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان نیک ہوگا، اور اُس کے نیک اعمال کا وزن زیادہ ہوگا، تو وہ ہر قسم کی تکلیف وعذاب سے محفوظ رہ کر مَن پسند کی عیش والی زندگی میں ہوگا، اور اُس کو کبھی موت بھی نہ آئے گی۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ

جس انسان کے پلڑے ہلکے ہونگے، تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ جس کے نیک اعمال بُرے اعمال کے مقابلے میں کم ہوں گے، تو اُس کے نیک اعمال کا وزن بھی کم ہوگا، اس لیے اُس کو بُرے اعمال کی سزا کے لیے ہاویہ میں بھیجا جائے گا، اور ہاویہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

قیامت کے دن کیونکہ انسانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا، اور وزن کرنے کے لیے میزانِ عمل قائم کی جائے گی، جو ہر عمل کا پورا پورا حساب بتادے گی، اور ذرہ برابر بھی کمی کوتاہی نہیں کرے گی۔

اس لیے یہ ہر انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کے کم اور زیادہ ہونے کا بھی پتہ دیدے گی۔

مختلف قسم کی احادیث کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن دومرتبہ ہوگا ایک مرتبہ کے وزن سے مؤمنوں اور کافروں کا امتیاز کردیا جائے گا، ہر مؤمن کا پلہ کافر کے مقابلے میں بھاری ہوگا۔

پھر دوسری مرتبہ کے وزن سے ایمان والوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے، اور اُن کا وزن کیا جائے گا، انسانوں کے اعمال گِنے نہیں جائیں گے۔

اور عمل کا وزن اس اخلاص اور سنت کے مطابق ہونے کے اعتبار سے بڑھتا ہے، چنانچہ جس انسان کے عمل میں اخلاص زیادہ ہو، اور وہ عمل سنت کے بھی زیادہ مطابق ہو، تو اس کے عمل کا وزن زیادہ ہوگا اور اس کے مقابلے میں جس انسان کے عمل میں اخلاص کم ہو، اور وہ عمل شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق بھی نہ ہو، اس کے عمل کا وزن کم ہوگا، خواہ اُس کے عمل کی تعداد پہلے انسان کے عمل کی تعداد کے مقابلے میں زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کو اپنے عمل کو زیادہ سے زیادہ شریعت وسنت کے مطابق کرنے اور اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

شریعت وسنت کے مطابق اپنا عمل کرنے کے لیے تو شریعت اور سنت کے علم کی ضرورت ہوگی، اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے اور بڑھانے کے لیے اپنے نفس اور باطن کی اصلاح کی ضرورت ہوگی

سورہ تکاثر کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ(۱) حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ(۲) کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ(۳) ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ (۴) کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ(۵) لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ(۶) ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ(۷) ثُمَّ لَتُسۡئَلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ(۸)

ترجمہ: غافل کئے رکھتی ہے تم کو (دنیاوی مال دولت کی) بہتات کی حرص (وفخر) ﴿۱﴾ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو﴿۲﴾ ہرگز نہیں (یعنی نہ تو دنیا کی مال ودولت حرص اور فخر کے قابل ہے اور نہ آخرت غفلت کے قابل ہے) تم کو بہت جلد معلوم ہوجائے گا ﴿۳﴾ پھر (تم کو دوبارہ متوجہ کیا جاتا ہے کہ دنیا کی مال ودولت فخر اور حرص اور توجہ کے قابل اور آخرت غفلت وانکار کے قابل) ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہوجائے گا﴿۴﴾ (تم کو پھر تیسری دفعہ متوجہ کیا جاتا ہے کہ دنیا کی مال ودولت فخر اور حرص اور توجہ کے قابل اور آخرت غفلت وانکار کے قابل) ہرگز نہیں اگر تم علمِ یقین کے طور پر جان لیتے ﴿۵﴾ تم ضرور بالضرور جہنم کو دیکھو گے ﴿۶﴾ پھر تم ضرور بالضرور جہنم کو عینُ الیقین (آنکھوں سے دیکھے جانے والی چیز کے یقین) کے طور پر دیکھو گے ﴿۷﴾ پھر تم سے ضرور بالضرور سوال کیا جائے گا اس (قیامت کے) دن سب نعمتوں کے بارے میں ﴿۸﴾

تفسیر

حضور ﷺ کے زمانے میں بعض لوگ اپنے پاس زیادہ مال اور اولاد ہونے پر فخر کیا کرتے تھے، جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تکاثر کثرت کے لفظ سے بنا ہے،جس سے یہاں مراد کثرت پر فخر کرنا ہے،خواہ وہ فخر مال ودولت کی کثرت پر ہو یا آل اولاد کی کثرت پر۔

کیونکہ یہ تکاثر وتفاخر آخرت سے تغافل (یعنی غفلت) میں پڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ کرنا ہے کہ وہ مال واولاد ہی کی فکر اوراس پر فخر میں آخرت سے غافل ہوجاتا ہے،جس کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے۔

یہاں تک کہ اسی حال میں موت آجاتی ہے، اور آخرت کے عذاب میں یقینی طور پر گرفتار ہوجاتا ہے۔

اور اگر تم کو آخرت کے عذاب اور قیامت کے حساب وکتاب کا یقین ہوتا تو تم اس تکاثر وتفاخر کی وجہ سے تغافل (یعنی غفلت) میں نہ پڑتے۔

جب کسی چیز میں شبہ نہ رہے اور یقین پیدا ہوجائے تو وہ علم الیقین کہلاتا ہے،اور جو یقین کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ عین الیقین کہلاتا ہے، جوکہ سب سے اعلیٰ درجہ کا یقین ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پہلے تو دو مرتبہ یہ فرمایا کہ کاش کہ تم کو معلوم ہوجاتا کہ دنیا کی مال دولت اور آل اولاد اور خاندان وقبیلے کی کثرت اوران پرفخر قابلِ توجہ چیز نہیں ہے۔

پھر تیسری مرتبہ فرمایا کہ کاش کہ تم علم الیقین کے طور پر اس حقیقت کو جان لیتے ، پھر اس کے بعد تکاثر وتفاخر کی وجہ سے آخرت سے غافل ہونے پر یہ وعید سنائی کہ تم جہنم کو ضرور بالضرور دیکھ لوگے۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے اس عذاب کو دیکھو گے۔

اور آخر میں پھر یہ ارشاد فرمایا کہ تم سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق ضرور باز پُرس ہوگی، کہ تم نے ان کا کس طرح شکر ادا کیا،اوران کو گناہ میں تو خرچ نہیں کیا، کان، آنکھ، دل، دماغ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کی شکل میں جو جو نعمتیں حاصل ہیں، ان سب کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا کہ ان کو کن کن چیزوں میں استعمال کیا،اسی طرح صحت وتندرستی کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

غرضیکہ دنیا کی ہر نعمت ولذت کے بارے میں سوال ہوگا خواہ اس نعمت ولذت کا تعلق کھانے پینے

سے ہو، یا لباس اور مکان سے ہو یا میاں بیوی اور اولاد و والدین کے رشتہ سے ہو، یا حکومت و عزت کے معاملہ سے ہو۔

اس سورت میں جو آخرت سے غفلت کے اسباب ہیں، اُن سے باخبر کیا گیا ہے، کہ انسان مال و دولت کی حرص اور مال اولاد پر فخر و تفاخر کے فتنے میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت کو خراب نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے خطاب کر کے فرمایا کہ:

کیوں نہیں تم لوگ ہر روز (قرآن مجید کی) ایک ہزار آیتیں پڑھ لیتے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! روزانہ ایک ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا (یعنی ہر روز اتنی آیتیں پڑھنا تو مشکل کام ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی ''اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ'' نہیں پڑھ سکتا (بیہقی) [1]

مطلب یہ ہے کہ ''اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ'' روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے برابر ہے۔

n

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :أَلَا يَسْتَطِيعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ ؟ "قَالُوا :وَمَنْ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ ؟ قَالَ " :مَا يَسْتَطِيعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (شعب الايمان للبيهقى،مستدرک على الصحيحين وقال الحاكم رُوَاةُ هَذَا الْحَدِيثِ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَعُقْبَةُ هَذَا غَيْرُ مَشْهُورٍ)

سورہ عصر کا ترجمہ و تفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ (۱) اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ (۲) اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ (۳)

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی ﴿۱﴾ بلاشبہ انسان ضرور خسارے میں ہے ﴿۲﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالحہ (نیک اعمال) کیئے، اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے ﴿۳﴾

تفسیر

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ نوعِ انسان بڑے خسارے اور نقصان میں ہے، اور اس خسارے اور نقصان سے صرف وہ انسان بچے ہوئے ہیں جو چار چیزوں کے پابند ہوں:

(۱)......ایمان (۲)......اعمالِ صالحہ (۳)......حق کی نصیحت ووصیت (۴)...... صبر کی نصیحت ووصیت

دنیا وآخرت کے خسارے ونقصان سے بچنے اور عظیم نفع حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار چیزوں کا مجموعہ ہے، ان میں سے پہلی دو چیزیں تو اپنی ذات کی اصلاح سے متعلق ہیں، اور دوسری دو چیزیں دوسرے مسلمانوں کی ہدایت واصلاح سے متعلق ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سورت میں مذکورہ مضمون کو بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے، تو زمانے کی قسم کو اس مضمون سے کیا تعلق اور مناسبت ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اس میں قوموں کی کامیابی اور ناکامی کے بھلے، بُرے واقعات پر نظر کی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ صرف یہ چار اعمال ہی ہیں، جن میں انسان کی فلاح وکامیابی ہے؛ جس نے ان کو چھوڑا وہ خسارے ونقصان میں پڑا۔

دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کے تمام حالات، اُس کا نشوونما، اُس کی حرکات وسکنات، اعمال، اخلاق سب زمانے ہی کے اندر ہوتے ہیں، اور جن اعمال کی اس سورت میں ہدایت دی گئی ہے وہ بھی اسی زمانے کے رات و دن میں ہوں گے، اسی مناسبت سے زمانے کی قسم کھائی گئی ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر غور کیا جائے تو انسان کی عمر کا زمانہ، اس کے سال، مہینے، دن رات بلکہ گھنٹے اور منٹ ہی انسان کا اصلی سرمایہ ہے؛ اسی سرمائے کو صحیح استعمال کر کے وہ دنیا وآخرت کے عظیم منافع اور فوائد بھی حاصل کرسکتا ہے، اور اسی سرمائے کو غلط استعمال کر کے وہ اپنی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد بھی کرسکتا ہے۔

اس سرمائے کو نفع بخش کاموں میں لگایا جائے تو اس کے منافع اور فوائد کی کوئی حد نہیں رہتی اور اگر اسی سرمائے کو غیر نفع بخش بلکہ مُضر کاموں میں لگایا جائے تو نفع کی تو کیا اُمید ہوتی، اصل سرمایہ بھی ہاتھ سے ضائع ہوجاتا ہے، اور عظیم وبال بھی سَر پڑتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص جب صبح کو اُٹھتا ہے، تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے، پھر کوئی تو اپنے اس سرمائے کو خسارے اور نقصان سے آزاد کرالیتا ہے، اور کوئی ہلاک کر ڈالتا ہے (معارف القرآن)

اس سورت میں جو چار اعمال ذکر کیے گئے ہیں، اُن میں سے ایمان اور اعمالِ صالحہ جو انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہیں، اُن کا معاملہ تو بالکل واضح ہے، کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

البتہ آخری دو اعمال یعنی حق اور صبر کی وصیت، قابلِ غور ہیں کہ ان سے کیا مراد ہے؟

تو یاد رکھیے کہ وصیت کے معنیٰ کسی کو تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرنے اور نیک کام کی ہدایت کرنے کے ہیں، اور اسی وجہ سے مَرنے والا اپنی زندگی میں اپنے بعد کے لیے جو کچھ ہدایات دیتا ہے، اُس کو بھی وصیت کہا جاتا ہے۔

حق کی نصیحت سے مراد عقائدِ صحیحہ (یعنی صحیح عقائد) اور اعمالِ صالحہ (یعنی نیک اعمال) ہیں۔

اور صبر سے مراد تمام گناہوں اور بُرے کاموں سے بچنا ہے۔

تو دونوں چیزوں کا خلاصہ اَمر بالمعروف (یعنی نیک کاموں کا حکم کرنا) اور نہی عن المنکر (یعنی بُرے کاموں سے روکنا) ہے۔

اور اِن دونوں چیزوں کا مجموعہ وہی ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں، جن کو خود اختیار کیا ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ خود بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرے، اور دوسروں کو بھی ان دونوں چیزوں کی تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حق کی وصیت سے مراد دوسرے مسلمانوں کی علمی اصلاح ہے، کہ اُن کو صحیح علم پہنچایا جائے؛ اور صبر کی وصیت سے مراد عملی اصلاح ہے، کہ اُن کے اعمال کو درست کرنے کی کوشش کی جائے۔

بہرحال اس سورت میں مسلمانوں کو ایک یہ بڑی ہدایت دی ہے کہ اُن کا صرف اپنے عمل کو درست کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے، اُتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی طرف بُلانے کی ممکنہ کوشش کریں؛ خاص طور پر اپنے اہل وعیال اور متعلقین اور زیرِ اَثر لوگوں کی اصلاح کی فکر و کوشش کریں۔

Z

C V

B N M

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

سورہ ہُمزہ کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ(۱) نِ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ(۲) یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ(۳) کَلَّا لَیُنۡبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ(۴) وَمَآ اَدۡرٰکَ مَا الۡحُطَمَۃُ(۵) نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ(۶) الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡئِدَۃِ(۷) اِنَّھَا عَلَیۡھِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ(۸) فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ(۹)

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہراس شخص کے لئے جو عیب نکالنے والا ہو، طعنہ دینے والا ہو ﴿۱﴾ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا ﴿۲﴾ وہ خیال کررہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا ﴿۳﴾ (حالانکہ یہ بات) ہرگز نہیں وہ ضرور بالضرور ڈالا جائے گا توڑ پھوڑ دینے والی چیز میں ﴿۴﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے وہ توڑ پھوڑ دینے والی چیز کیا ہے؟ ﴿۵﴾ وہ اللہ کی آگ ہے جو جلائی (ودہکائی) گئی ہے ﴿۶﴾ جو دلوں پر جا پہنچے گی ﴿۷﴾ بے شک وہ آگ اُن پر بند کردی جائے گی ﴿۸﴾ لمبے لمبے ستونوں میں ﴿۹﴾

تفسیر

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر شدید عذاب کی وعید اور پھر اُس عذاب کی شدت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

وہ تین گناہ یہ ہیں:

(۱)......ہُمزہ **(۲)**......لُمزہ **(۳)**......جمعِ مال

ہُمز کے معنیٰ غیبت یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کا بُرائی کے ساتھ تذکرہ کرنے کے ہیں۔

اور لُمز کے معنیٰ آمنے سامنے کسی کو طعنہ دینے اور بُرا کہنے کے ہیں؛ یہ دونوں ہی چیزیں سخت گناہ ہیں۔

غیبت کے متعلق قرآن وحدیث میں سخت عذاب کی وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

تیسرا گناہ جس پر اس سورت میں عذاب کی وعید آئی ہے، وہ مال کی حرص اور اس کو مقصود لذاتہٖ بنالینا ہے، جب مال کی حرص ہوتی ہے اور اس کو مقصود لذاتہٖ بنالیا جاتا ہے تو اس پر یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں:

انسان مال کو بڑھاتے رہنے کے درپے رہتا ہے اور اس کی حرص ومحبت میں منہمک ہوکر دین کی ضروریات سے غافل ہوجاتا ہے۔

مال پر فخر وتفاخر کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔

مال کی حرص کی وجہ سے وہ اس کو بار بار گنتا اور شمار کرتا ہے، اور اس کا حساب لگاتا رہتا ہے (جس کا اس سورت میں ذکر ہے)

مال کو حاصل کرتے وقت حلال وحرام کی پرواہ نہیں کرتا۔

مال کے واجبی حقوق (زکاۃ، حج، قربانی، فطرانہ وغیرہ) ادا نہیں کرتا۔

اور آج کے دَور میں مال کے یہ فتنے کم وبیش معاشرے میں موجود ہیں۔

اس سورت میں جہنَّم کی آگ کو ''حُطَمَۃُ'' فرمایا گیا ہے۔

حُطَمَۃُ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو توڑ پھوڑ کر رکھ دے، یا کوٹ پیٹ کر بھوسہ بنا کر رکھ دے؛ کیونکہ جہنَّم کی آگ ایسی ہی ہوگی کہ ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر اور بھوسہ بنا کر رکھ دے گی۔

اور اس سورت میں فرمایا گیا کہ وہ آگ جہنَّمیوں کے لیے دہکا دی گئی ہے۔

رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنَّم کی آگ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا، یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا، یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی، لہٰذا اب وہ سیاہ ہے، اندھیری ہے (ترمذی)

یہ مطلب نہیں کہ وہ آگ بجھ گئی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس میں روشنی والی صفت نہیں ہے، جو عذاب کی شدت کا ذریعہ ہے۔

پھر جہنم کی آگ کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ وہ دِلوں تک پہنچ جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی آگ میں جب انسان جلتا ہے تو اُس کے دِل تک آگ پہنچنے سے پہلے اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے، لیکن جہنم میں کیونکہ موت نہیں آئے گی، اس لیے جہنم کی آگ کا دِل تک پہنچنا زندگی کی حالت میں ہوگا، اور دِل کے جَلنے کی تکلیف کا اُس جہنمی کو پورا پورا احساس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔ آمین

پھر اس جہنّم کی آگ کی ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ آگ اِن پر بند کردی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جہنّمی جہنم کے اندر بند ہوں گے؛ آگ کے بڑے بڑے شعلوں کے اندر مقید ہوں گے جو لمبے لمبے اور اونچے اونچے ستونوں کی شکل میں ہوں گے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ستونوں کی طرح بڑے بڑے طوق جہنّمیوں کے گلے کے اندر ڈال دیے جائیں گے۔

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ جہنّمیوں کو ستونوں کے دروازوں کے ذریعے سے جہنّم کے اندر بند کیا جائے گا۔

سورہ فیل کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ(۱) اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ فِىۡ تَضۡلِيۡلٍ(۲) وَّاَرۡسَلَ عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا اَبَابِيۡلَ(۳) تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍ(۴) فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ(۵)

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا ﴿۱﴾ کیا نہیں کر دیا ان کی تدبیر کو غلط ﴿۲﴾ اور بھیجے ان پر پرندے غول کے غول ﴿۳﴾ جو پھینکتے تھے اُن پر پتھریاں کنکر کی ﴿۴﴾ سو کر دیا اُن کو (اللہ تعالٰی نے) کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ﴿۵﴾

تفسیر

اس سورت میں اللہ تعالٰی نے اصحابِ فیل یعنی ہاتھی والوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے بیتُ اللہ کو مسمار کرنے کے ارادہ سے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی۔ اللہ تعالٰی نے معمولی پرندوں کے ذریعہ اُن کی فوج کو آسمانی عذاب نازل فرما کر نیست و نابود کر کے اُن کے غلط عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

یہ واقعہ اُس سال پیش آیا جس سال حضورﷺ کی مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔

مکہ مکرمہ پر ہاتھی لے کر چڑھائی کرنے والے یہ لوگ کافر تھے، اور ان کے لشکر کا مشہور کمانڈر اور لیڈر ''ابرہہ'' نامی شخص تھا، جو کہ ملکِ یمن کا حاکم (گورنر) تھا۔

بیتُ اللہ پر چڑھائی کرنے کا مقصد یہ تھا تاکہ کعبہ شریف کے ختم ہو جانے کے بعد لوگوں کا رُخ اُن کے اپنے بنائے ہوئے گھر کی طرف ہو جائے، جسے اُنہوں نے یمن میں بنایا تھا، اور اُسے کعبۂ یمانیہ کہتے تھے۔

ابرہہ ایک بہت خاص ہاتھی جس کا نام "محمود" تھا، اُس پر سوار ہو کر بیتُ اللہ پر حملہ کرنے کے لئے آیا تھا، جس کی مثال اُس وقت دنیا میں نہیں پائی جاتی تھی، اس کے علاوہ اور ہاتھی بھی لشکر کے ساتھ تھے، ہاتھیوں کو ساتھ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ بیتُ اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور لمبی زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں، اور اُن کو ہنکائیں تو اس سے بیتُ اللہ (نعوذ باللہ) منہدم ہو جائے گا۔

عرب میں اگر چہ بت پرستی غالب آ گئی تھی، مگر دینِ ابراہیم اور کعبہ کی عظمت ومحبت اِن کے دلوں میں موجود تھی، عرب میں جب اس حملہ کی خبر پھیلی، تو عرب کے لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، عربوں میں ایک شخص نفیل بن حبیب جو ایک قبیلے کے سردار تھے، انہوں نے اپنے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا، مگر ابرہہ کے لشکر نے اُن کو شکست دے دی، اور نفیل بن حبیب کو گرفتار کر لیا، راستے میں اور لوگوں اور قبیلوں کو بھی شکست دیتے ہوئے یہ لشکر آگے بڑھتا رہا۔

اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے بیتُ اللہ میں آ کر غلافِ کعبہ پکڑ کے اللہ تعالیٰ سے بیتُ اللہ کی حفاظت کی دعا کی، کچھ قریش کے لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے، پھر یہ لوگ اپنے اہل وعیال کو لے کر پہاڑوں پر چلے گئے، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ابرہہ اور اس کے لشکر پر عذاب نازل ہو گا۔

جب حملے کا وقت قریب آ گیا، تو صبح سویرے ابرہہ نے بیتُ اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے خاص محمود نامی ہاتھی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا، نفیل بن حبیب جو لشکر کے ساتھ تھے، انہوں نے چپکے سے ہاتھی کا کان پکڑ کر اس کے کان میں کہا کہ:

> تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے بلدِ امین (محفوظ شہر) میں ہے۔

ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی چلانے والوں نے اس کو اٹھانا اور چلانا چاہا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اُس کو بڑے بڑے لوہے کے تبروں سے چوکے مارے گئے، یہاں تک کہ اس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا، پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا، اس وقت ان لوگوں نے اس ہاتھی کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا

تو وہ فوراً کھڑا ہوگیا، پھر ملکِ شام کی طرف چلانا چاہا، تو چلنے لگا، پھر مشرق کی طرف چلانا چاہا، تو بھی چلنے لگا، ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی قطاریں بھیج دیں، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ چونچ اور پنجوں میں کنکریاں چنّے یا مسّور کی دال کے برابر تھیں، اور وہ فوراً ہی ابرہؔہ کے لشکر کے اوپر چھا گئیں۔

ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریوالور کی گولی بھی نہیں کرسکتی، کہ جس پر یہ کنکر پڑتی اس کے بدن میں سوراخ کرتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔

یہ عذاب دیکھ کر سارے ہاتھی بھاگ گئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا۔

اس لشکر کے کچھ لوگ تو موقعہ پر ہلاک ہوگئے اور کچھ لوگ مختلف اطراف میں بھاگے اور راستے میں مَر مَر کر گر گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابرہؔہ کو عبرت ناک سزا دینا منظور تھی، اس لئے اُس کو عذاب میں مبتلا رکھ کر کچھ مہلت کے بعد ہلاک کیا، اس کے جسم کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اس کو تکلیف دہ حالت میں یمن لایا گیا، دارالحکومت میں پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بہہ گیا، اور مر گیا۔

ان پرندوں کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ جسم میں کبوتر سے چھوٹے تھے، اور کوئی ایسی نسل تھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔

اس سورت میں ابابیل سے مراد پرندوں کے غول اور جماعتیں ہیں، ابابیل کسی خاص پرندے کا نام نہیں، اور اردو زبان میں جو ایک خاص چڑیا کو ابابیل کہتے ہیں وہ بھی یہاں مراد نہیں۔

i

سورہ قریش کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ (۱) اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ (۲) فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ھٰذَا الۡبَیۡتِ (۳) الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ (۴)

ترجمہ: چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں ﴿۱﴾ یعنی سردی اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں ﴿۲﴾ تو (اس نعمت کے شکر میں) اُن کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے رب کی عبادت کریں ﴿۳﴾ جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا ﴿۴﴾

تفسیر

مفسرین نے اس سورت کو سورہ فیل (جو پہلے گزری) ہی سے متعلق قرار دیا ہے۔

سورہ فیل میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا ہے، قریشِ مکہ سردی، گرمی کے دو سفروں کے عادی تھے، ایک سفر سردی میں یمن کی طرف اور دوسرا سفر گرمی میں شام کی طرف کیا کرتے تھے، اور انہیں دو سفروں پر ان کی تجارت اور کاروبار کا دارومدار تھا، اور اسی تجارت کی وجہ سے وہ مالدار اور غنی تھے۔

اصحابِ فیل کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کے راستے کی رکاوٹ دور فرما دی، اور سب لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت وہیبت پیدا فرمائی۔

اس کے شکرانے میں اللہ تعالیٰ نے بیتُ اللہ کے رب کی عبادت کا حکم فرمایا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ جس کسی کو دشمن یا کسی اور مصیبت کا خوف ہو اس کے لئے اس سورت کا پڑھنا امن اور بلا ومصیبت کے دفع کرنے کا ذریعہ ہے، اور بہت سے اللہ والوں کا یہ آزمودہ عمل ہے۔

j

سورہ ماعون کا ترجمہ و تفسیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ(۱) فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ(۲) وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ(۳) فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ(۴) الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ(۵) الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ (۶) وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ(۷)

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء (یعنی قیامت کے دن) کو جھٹلاتا ہے ﴿۱﴾ سو (آپ اس کا حال سنئے) وہ شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ﴿۲﴾ اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا ﴿۳﴾ سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے ﴿۴﴾ جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں ﴿۵﴾ جو ایسے ہیں کہ (نماز میں) دکھلاوا کرتے ہیں ﴿۶﴾ اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے ﴿۷﴾

تفسیر

اس سورت میں جن بُرے اعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱)......یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین **(۲)**......مسکین محتاج کو قدرت ہونے کے باوجود کھانا نہ دینا (یعنی تعاون نہ کرنا) اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا **(۳)**......نماز سے غفلت کرنا (جس میں قصداً نماز کو چھوڑنا اور ضائع کرنا بھی داخل ہے) **(۴)**......نماز پڑھنے میں ریا کاری اور دکھلاوا کرنا (جو کہ نماز یعنی اللہ تعالیٰ سے غفلت کا اثر ہے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے وہ مخلوق کی رضا اور خوشنودی کو تلاش کرتا ہے اور اسی کو ریا کہا جاتا ہے) **(۵)**......زکوٰۃ ادا نہ کرنا

h

سورہ کوثر کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ (۱) فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ (۲) اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ (۳)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کوعطا فرمائی ہے کوثر (یعنی جنت کی ایک خاص حوض اور ہر عظیم خیر)﴿۱﴾ سو آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے ﴿۲﴾ یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے﴿۳﴾

تفسیر

جس شخص کی نرینہ اولاد فوت ہوجائے اس کو عرب کے لوگ ''ابتر'' کہا کرتے تھے، جس کے معنیٰ ہیں مقطوعُ النسل، جس وقت حضورﷺ کے صاحبزادے (حضرت قاسم یا ابراہیم) کا بچپن میں انتقال ہوگیا تو مکہ کے کفار آپ کو''ابتر'' کہہ کر طعنہ دینے لگے، اور کہنے لگے کہ جب ان کا انتقال ہوجائے گا تو ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا۔

اس کے علاوہ بھی مکہ کے کفار آپﷺ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔اس پر یہ سورت نازل ہوئی، جس میں ان کے طعنوں کا جواب بھی ہے کہ آپﷺ کی نسبی نسل بھی ان شاءاللہ تعالیٰ دنیا میں تا قیامت باقی رہے گی، اگرچہ دختری اولاد سے ہو، اور آپ کی معنوی نسل یعنی آپ پر ایمان لانے والے بھی قیامت تک باقی رہیں گے۔

اوراللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو کوثر (جس سے مراد خیرِ کثیر ہے، جس میں حوضِ کوثر بھی شامل ہے) عطا فرمائی ہے، جس میں دنیا وآخرت دونوں کی خیر داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس خیرِ کثیر کے شکر میں دو چیزوں کا حکم فرمایا، ایک نماز اور دوسرے قربانی۔

نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے، اور قربانی مالی عبادتوں میں ایک

خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے، کہ دوسرے مذہبوں میں اپنے باطل معبودوں کے نام پر قربانی کی جاتی ہے، اور اسلام میں قربانی خاص اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے۔

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے ذکر کو کیسی رفعت اور عظمت عطا فرمائی، کہ دنیا میں چپہ چپہ پر آپ کا نام انتہائی عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے، اور آخرت میں آپ ﷺ کو شفاعتِ کبریٰ کا مقامِ محمود حاصل ہوگا۔

اور اس کے بالمقابل آپ ﷺ کو طعنہ دینے والوں کی کیا حالت ہے، کہ ان کو عام دنیا جانتی بھی نہیں، اور جو جانتے ہیں وہ بھی اچھائی کے ساتھ ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔

N

V B

X M C

سورہ کافرون کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ(۱) لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ(۲) وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ(۳) وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ(۴) وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ(۵) لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ(۶)

ترجمہ: آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (میرا تمہارا طریقہ ایک نہیں ہوسکتا) ﴿۱﴾ اور نہ (تو اِس وقت) میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں ﴿۲﴾ اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو ﴿۳﴾ اور نہ (آئندہ) میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا ﴿۴﴾ اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے ﴿۵﴾ تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا ﴿۶﴾

تفسیر

بعض کافر حضور ﷺ کے پاس آئے تھے، اور آپس میں صلح کی یہ صورت پیش کی تھی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے، اور جس عورت سے آپ چاہیں ہم آپ کا نکاح کر دیں گے، آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو غلط نہ کہا کریں۔

بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں، اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے۔

جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر یہ سورت نازل فرمائی، جس میں کفار کے اعمال سے برأت کا اعلان اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا۔

اس سورت میں یہ بتلا دیا گیا کہ کافروں سے مصالحت کی مذکورہ مجوّزہ صورتیں قابلِ قبول نہیں ہیں، نہ تو کافروں اور مسلمانوں کے معبود میں اشتراک ہے اور نہ عبادت کے طریقہ میں اشتراک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور عبادت کا صرف وہی طریقہ معتبر ہے جو حضور ﷺ نے اختیار فرمایا، اللہ تعالیٰ کے قانون اور اصولِ دین میں کسی سے صلح اور مصالحت کی گنجائش نہیں، البتہ انسانی حقوق میں صلح ہوسکتی ہے۔

حضور ﷺ مختلف موقعوں پر سفر و حضر اور مختلف نمازوں میں سورہ کافرون پڑھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

بعض صحابہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے، جو ہم سونے سے پہلے پڑھ لیا کریں، آپ ﷺ نے انہیں سورہ کافرون پڑھنے کی تلقین فرمائی، اور فرمایا کہ یہ سورت شرک سے براءت ہے (ترمذی، ابوداؤد)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

> سورہ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے، اور سورہ قل ھواللہ تہائی قرآن کے برابر ہے، اور سورہ قل یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

اس سورت کے اور بھی کئی فضائل آئے ہیں۔

سورہ نصر کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ(۱) وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا(۲) فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ. اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا(۳)

ترجمہ: جب آ پہنچے اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح ﴿۱﴾ اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق (فوج درفوج) داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں ﴿۲﴾ تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ﴿۳﴾

تفسیر

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورہ نصر قرآن کی آخری سورت ہے (مسلم)
مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی۔

اس سورت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ سے پہلے ہی خوشخبری سنادی تھی، پھر اس سورت کے مطابق مکہ فتح ہونے کے بعد فوج درفوج ہوکر لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تھے۔

کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے، کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا، لہٰذا اب تسبیح واستغفار میں لگ جایئے۔

اور فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع سے فراغت پا کر ربیع الاول کے مہینہ میں آپ ﷺ کا وصال مبارک ہوگیا
بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ عبادت واستغفار اور تسبیح وتحمید میں بہت مجاہدہ فرمانے لگے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں بھی ورم کر جاتے تھے۔ اس سورت سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب انسان کو موت کا وقت قریب محسوس ہوتو اسے تسبیح واستغفار کی کثرت کرنی چاہئے۔

سورہ لہب کا ترجمہ و تفسیر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تَبَّتۡ يَدَآ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱) مَآ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (۲) سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۳) وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ (۴) فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ (۵)

ترجمہ: ٹوٹ جائیں ہاتھ ابولہب کے اور وہ برباد ہو جائے ﴿۱﴾ نہ کام آیا اس کے اس کا مال اور نہ اس کی کمائی ﴿۲﴾ عنقریب (یعنی مرتے ہی) داخل ہوگا بھڑکتی ہوئی آگ میں (وہ خود) ﴿۳﴾ اور اس کی بیوی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے ﴿۴﴾ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی ﴿۵﴾

تفسیر

ابولہب عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھا، سرخ (گوراچٹا) رنگ ہونے کی وجہ سے یہ ابولہب کے نام سے مشہور تھا، یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا بہت سخت دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا، آپ ﷺ کو سخت تکالیف پہنچایا کرتا تھا۔

قرآن مجید نے ابولہب کی ہلاکت و بربادی کی خبر تو پہلے ہی دے دی تھی، اس کے بعد جب بدر کا واقعہ پیش آیا تو سات روز بعد اس کے طاعون کی گلٹی نکلی، اس کے گھر والوں نے دوسروں کے یہ مرض لگ جانے کے ڈر سے اس کو الگ ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ اسی بے کسی کی حالت میں مر گیا، اور تین دن تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو مزدوروں سے اٹھوا کر ایک گڑھے میں لکڑی سے اس کی لاش کو ڈلوا دیا اور اوپر سے پتھر بھر دیئے۔

اور اس کا سرمایہ اور نفع اور اس کی آل اولاد اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔

ابولہب کی بیوی بھی حضور ﷺ کی دشمنی اور ایذاء رسانی میں اپنے شوہر کی مدد کرتی تھی، یہ عورت

جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ ﷺ کے راستے میں بچھا دیا کرتی تھی، اور حضور ﷺ اور صحابۂ کرام کی ایذاء رسانی کے لئے چغل خوری کا کام بھی کیا کرتی تھی، اس کو بھی آخرت میں اپنے شوہر کے ساتھ سخت سزا دی جائے گی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہے کی تاروں سے بٹا ہوا رسّا طوق بنا کر جہنم میں اس عورت کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کی بیوی باوجود مالدار ہونے کے اپنی طبیعت کے خسیس ہونے کی وجہ سے جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاتی تھی، اور ان کو رسی سے باندھ کر رسی کو اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی، تاکہ لکڑیاں سر سے گر نہ جائیں، ایک روز لکڑیوں کی گٹھری سر پر اور رسی گلے میں تھی کہ وہ تھک کر کہیں بیٹھ گئی، اور اسی حال میں گر گئی، اور اسی رسی سے اس کا گلا گھونٹ گیا، اور وہ ہلاک ہو گئی، اور اسی شکل میں وہ جہنم میں جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کو تکلیف پہنچانے یا کسی بھی گناہ کے کام میں دوسرے کی مدد اور تعاون کرنا بھی گناہ کا کام ہے، اور اسی طرح چغل خوری بھی سخت گناہ ہے۔

O

سورہ اخلاص کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ (۳) وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)

ترجمہ: آپ (ﷺ لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ (اپنی ذات وصفات میں) ایک ہے (یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت وغیرہ جیسی سب صفات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی) ﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے (یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں) ﴿۲﴾ اس کے اولاد نہیں، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ﴿۳﴾ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے ﴿۴﴾

تفسیر

مکہ کے مشرکوں نے حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا حسب نسب معلوم کیا تھا کہ کیا ہے؟

اور بعض روایات میں ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے یہ سوال کیا تھا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے یہ سوال بھی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے، سونے کا یا چاندی کا یا کسی اور چیز کا (نعوذ باللہ تعالیٰ) جس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے مشرکانہ خیالات کی نفی فرما کر مکمل توحید کا سبق دیا ہے۔

توحید کا انکار کرنے والوں میں ایک گروہ تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا انکار کرتا ہے، اور بعض گروہ وجود کے تو قائل ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے صفات وغیرہ کا انکار کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود غیرُ اللہ کو عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان سب کے باطل خیالات کی تردید ''اللہ احد'' کے جملے سے کر دی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ یکتا اور تنہا ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سب چیزوں کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی

اور کی عبادت بھی نہیں کرتے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کسی دوسرے کو حاجت روا، مشکل کشا اور دنیا کے نظام کو چلانے والا سمجھتے ہیں، اُن کے باطل خیال کی تردید لفظِ ''صمد'' میں کر دی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی کام میں دوسرے کے محتاج نہیں، اور سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے قائل ہیں، یا اللہ تعالیٰ کا حسب نسب معلوم کرتے ہیں، ان کی تردید ''لم یلد ولم یولد'' میں کر دی گئی ہے۔

اس طرح یہ مختصر سورت ہر طرح کے شرک کی تردید اور کامل توحید کو ثابت کرتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

> ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے سورہ اخلاص سے بڑی محبت ہے، آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا (مسند احمد)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ، میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا، جو لوگ جمع ہو سکتے تھے وہ جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ تشریف لائے اور سورہ اخلاص کی قرأت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ:

> یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے (مسلم شریف)

اس سورت کے اور بھی کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔

t

سورہ فلق کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ(۱) مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ(۲) وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ(۳) وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ(۴) وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ(۵)

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں ﴿۱﴾ تمام مخلوقات کے شر سے ﴿۲﴾ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے ﴿۳﴾ اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں (یعنی جادو کرنے والوں) کے شر سے ﴿۴﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے ﴿۵﴾

تفسیر

یہ سورہ فلق اور اس کے بعد سورہ ناس دونوں سورتیں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔

حضورﷺ پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا، جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے تھے، حضرت جبریلِ امین نے آپﷺ کو آ کر اس کی اطلاع کی، اور بتلایا کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے، اور جادو کا عمل جس چیز پر کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں کے اندر ہے۔

حضورﷺ نے وہاں آدمی بھیجے، وہ یہ جادو کی چیزیں کنویں سے نکال لائے، اس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، حضورﷺ پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں (سورہ فلق اور سورہ ناس) نازل فرمائیں، جن میں گیارہ آیتیں ہیں، آپﷺ ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھولتے رہے، یہاں تک کہ آپﷺ نے ان سب گرہوں کو کھول دیا، اور اسی وقت آپ سے اچانک ایک بوجھ سا اتر گیا، اور آپ بالکل تندرست ہو گئے (مسندِ احمد و ابنِ کثیر وغیرہ)

بعض روایات میں ہے کہ اس جادو کا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا (بخاری شریف)

سحر وجادو کے اثر سے حضور ﷺ کا متأثر ہونا آپ کی نبوت کی شان کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ اثر جسم پر ہوا تھا، جس طرح جسم گرمی، سردی بخار اور درد وغیرہ سے متأثر ہوسکتا ہے، اسی طرح جادو سے بھی متأثر ہوسکتا ہے، اور اس جادو کا اثر حضور ﷺ کے کسی دینی معاملہ اور دعوت وتبلیغ میں مؤثر نہیں ہوا تھا، اس لئے یہ شبہ بے بنیاد ہے کہ جادو نبی کی عِصمت کے خلاف ہے، جیسے آج کل بعض منکرینِ حدیث اور گمراہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔

بہر حال اس جادو کے اثر کی وجہ سے نعوذ باللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے کوئی دین کا کام یا کلام غلط سرزَد نہیں ہوا۔

اس سورت میں دنیاوی آفات ومصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے، اور سورہ ناس اخروی آفات سے پناہ مانگنے کی تاکید ہے، گویا کہ ان دونوں سورتوں کا مقصد انسانوں کے لئے اپنی دنیا وآخرت کی حفاظت کا سامان مہیا کرنا ہے، اور یہ دونوں سورتیں ایک حفاظتی ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس سورت میں سب سے پہلے تمام مخلوقات کے شر سے پناہ لینے کا ذکر کیا گیا ہے، مگر اس کے بعد تین چیزوں کو ممتاز کر کے ان کے شر سے پناہ مانگنے کا علیٰحدہ ذکر فرمایا گیا ہے، جو کہ اکثر آفات ومصائب کا سبب بنتی ہیں۔

ان میں ایک چیز رات ہے، کیونکہ سحر وجادو کی تاثیرات کے وقت میں زیادہ ہوتی ہے، اور جنات وشیاطین اور موذی جانور اور حشرات الارض اور چوروں وڈاکوؤں کے پھیلنے اور دشمنوں کے حملہ کرنے کے واقعات، اور بڑے بڑے گناہ اور جرائم جیسے قتل، ڈاکا، چوری، زنا، یہاں تک کہ اجتماعی انقلابات رات کی تاریکی کی آڑ میں ہی سرانجام دیئے جاتے ہیں، اور بعض اوقات ایسے واقعات کو شب خون مارنے کا نام دیا جاتا ہے، اس لئے اندھیری رات کے شر سے خاص طور سے پناہ چاہی گئی ہے۔

دوسری چیز گِرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے یعنی جادو کرنے والوں کے شر سے پناہ ہے، کیونکہ اس سورت کے نازل ہونے کا سبب یہی جادو تھا، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح کے جادو کا شَر اور ضَرر اس لیے زیادہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی خبر نہیں ہوتی، اور بے خبری کی وجہ سے اس کے ازالے

کی طرف توجہ نہیں ہوتی، وہ عام جسمانی بیماری سمجھ کر دوا دارو میں لگا رہتا ہے، جس سے تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

اور تیسری چیز جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، وہ حاسد اور حسد ہے، اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر جنھوں نے جادو کیا تھا اس کی بنیاد حسد تھی۔

جب یہ دشمن ظاہری جنگ وقتال میں آپ ﷺ پر غالب نہیں آ سکے، تو جادو کے ذریعہ اپنی حسد کی آگ کو بُجھانا چاہا؛ ان کے علاوہ بھی حضور ﷺ کے بے شمار حاسد تھے، اور حاسد ہر وقت نقصان پہنچانے کے دَر پے رہتا ہے، جس کے شَر سے بچنے کی خاص ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اس سورت میں حاسد کے حسد سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی جو ایک صفت صبح کے رب ہونے کی ذکر کی گئی ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ رات کی اندھیری کو زائل فرما کر صبح کی روشنی نکال دیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سحر اور جادو اور دوسری چیزوں کے ضَرر ونقصان کے اندھیرے کو دور فرما کر روشنی عطا فرما دیتے ہیں۔

اس طرح اس سورت میں اصولی طور پر اُن تمام چیزوں سے پناہ کا ذکر آ گیا، جو انسان کے لئے ضرر ونقصان کا باعث ہوسکتی ہیں، اور جو چیزیں اس کے علاوہ ہوسکتی تھیں ان کا ذکر اگلی سورت میں آ گیا، اور اسی وجہ سے یہ دونوں سورتیں ہر طرح کے شر وآفت سے حفاظت کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے۔

سورہ ناس کا ترجمہ وتفسیر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱) مَلِكِ النَّاسِ (۲) اِلٰهِ النَّاسِ (۳) مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ (۴) الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ (۵) مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۶)

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں آدمیوں کے رب ﴿۱﴾ آدمیوں کے بادشاہ ﴿۲﴾ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں ﴿۳﴾ وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے پڑ جانے والے (شیطان) کے شر سے ﴿۴﴾ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ﴿۵﴾ خواہ وہ جن ہو یا آدمی ﴿۶﴾

تفسیر

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات یعنی ربّ الناس (انسانوں کا مربی) ملکَ الناس (انسانوں کا مالک و بادشاہ) الٰہ الناس (انسانوں کا معبود) ذکر فرمائی گئی ہیں، ان تین صفتوں کو جمع کرنے میں یہ حکمت ہے، کہ ان میں سے ہر صفت حفاظت کو دعوت دیتی ہے، کیونکہ ہر تربیت کرنے والا اپنی تربیت شُدہ چیز کی اور ہر مالک اپنے مملوک کی حفاظت کیا کرتا ہے، ہر منصِف بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کیا کرتا ہے اور معبود کا اپنے عابد کی حفاظت کرنا بالکل ظاہر ہے۔

یہ تینوں صفتیں صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں، اس کے سِوا کوئی ان صفتوں کا جامع نہیں، اس لیے اُس کی پناہ حاصل کرنا سب سے بڑی پناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ان تین صفتوں کے ساتھ پناہ مانگنا دعا کی قبولیت کا بڑا ذریعہ ہے کہ یا اللہ آپ ہی ان صفات کے جامع ہیں، ہم صرف آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں

يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ

سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی، شیطان تو جنات میں سے ہے، اس لیے جنات کی طرف وسوسے کی نسبت کی گئی، اور انسان بھی

ایسی باتیں یا حرکتیں کرتے ہیں، جن کو سن یا دیکھ کر دوسرے انسان کو برائی کا خیال اور وسوسہ آنے لگتا ہے، اور اسی طرح انسان کا اپنا نفس بھی بُرے کاموں کی طرف مائل ہوتا ہے۔

ان سب سے پناہ اس میں شامل ہے۔ مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل و برکات منقول ہیں۔

سورہ فلق اور سورہ ناس کے فوائد اور برکات اور سب لوگوں کو ان دونوں سورتوں کی حاجت وضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان ان سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتا، جادو، بدنظری اور تمام جسمانی وروحانی آفات کے دور کرنے میں ان دونوں سورتوں کی بہت بڑی تاثیر ہے۔

ان دونوں سورتوں میں پہلی یعنی سورہ فلق میں تو دنیاوی آفات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے، اور دوسری سورت یعنی سورہ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے

حضورﷺ نے فرمایا کہ:

ان دونوں سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو اور اٹھنے کے وقت بھی (نسائی شریف)

ایک روایت میں ہے کہ:

آپﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی (نسائی، ابوداؤد)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

حضورﷺ کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ آخری وقت میں بیمار ہوئے، تو میں آپ کے ہاتھوں پر یہ دونوں سورتیں پڑھ کر دم کر دیتی تھی، اور آپ وہ ہاتھ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے، اور یہ میں اس لئے کرتی تھی کہ آپ کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہیں ہو سکتے تھے (مؤطا مالک)

ایک حدیث میں حضورﷺ نے ان دونوں سورتوں اور سورہ اخلاص کے بارے میں فرمایا کہ:

ان کو صبح اور شام تین تین مرتبہ پڑھ لینا ہر تکلیف سے امن کا ذریعہ ہے۔ بہرحال تمام آفات سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دو سورتیں رسول اللہﷺ اور صحابۂ کرام کا معمول تھیں

ختم شد

باسمہٖ تعالیٰ

صدقۂ جاریہ
و
ایصالِ ثواب
کے فضائل واحکام

صدقۂ جاریہ کی حقیقت اور نیکی کا ذریعہ بننے کی صورتیں
ایصالِ ثواب کا قرآن وسنت، اجماع اور شرعی قیاس سے ثبوت
مطلق اور عام ایصالِ ثواب کے منکِر کا حکم
فقہ کے چاروں ائمہ کے سلسلہ کی کتابوں سے
مالی اور بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کا ثبوت
دعاواستغفار، ذکروتلاوت، نماز، روزہ، صدقات وخیرات، حج وعمرہ
اورقربانی وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب پر احادیث وروایات
ایصالِ ثواب کی شرائط، ایصالِ ثواب سے متعلق بدعات ورسوم
ایصالِ ثواب کے طریقے اور اس سے متعلق مختلف مسائل واحکام
اور ایصالِ ثواب کے منکرین کے شبہات واعتراضات کا جائزہ

مصنّف
مفتی محمد رضوان
اداہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی